اسلام میں عورت کا مقام اور میاں بیوی کے باہمی معاملات(۴)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان☆

نکاحِ (زواج) مِسیار

اسلام میں نکاحِ ثانی کی شرائط اتنی سخت ہیں کہ عموماً پوری نہیں ہو پاتیں اور ادھوری شرائط کے تحت کی گئی دوسری شادی رحمت کی بجائے طرفین کے لیے سخت زحمت بن جاتی ہے' جیسے عدل نہ کر سکنا' نان ونفقہ کی ذمہ داری سے پہلوتہی یا مناسب رہائش مہیا نہ کرنا وغیرہ۔ اور پھر محاسبہ آخرت تو ہے ہی۔ اس سلگتے مسئلے کا حل بعض عرب علماء نے 'نکاحِ مسیار' کی صورت میں نکالا ہے۔ ایسے نکاح میں مروّجہ نکاح کی تمام شرائط اور ارکان موجود ہوتے ہیں' جیسے ایجاب وقبول' گواہوں کی موجودگی اور مہر کی ادائیگی وغیرہ۔ بس اس کے ساتھ ایک اور اضافی شرط اسے نکاحِ مسیار کی صورت دے دیتی ہے' اس طرح کہ شوہر کے مطالبے پر یا اپنی رضامندی سے عورت اپنے حقوق' نان ونفقہ' عدل' رہائش اور رات گزارنا وغیرہ میں سے کوئی ایک' دو یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے۔ واضح رہے کہ یہ نکاحِ مؤقّت یا متعہ' جن میں وقت کا تعین ہوتا ہے اور ان کی حرمت پر اتفاق ہے' سے یکسر مختلف ہے۔ نکاحِ مسیار میں نہ تو کوئی وقت مقرر ہوتا ہے اور نہ ہی ایسی کوئی ظاہری نیت ہوتی ہے۔

نکاحِ مسیار کے بنیادی محرکات

نکاحِ مسیار کے کئی ایک بنیادی محرکات یوں بیان کیے جاتے ہیں:

(ا) شادی کی عمر سے زائد پہنچ جانے والی عورتوں کی کثرت' مطلقات' بیوہ اور مخصوص حالات والی عورتوں کی تعداد بڑھنا۔ (جیسے اچھی مالی حیثیت والی بیوہ اور مطلقہ عورتوں میں اضافہ وغیرہ)۔

(ب) بیشتر عورتیں تعددِ ازدواج کی مخالفت کرتی ہیں۔ اس بنا پر خاوند اس طرح کی شادی کرنے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ پہلی بیوی کو اس کی آگاہی نہ ہو سکے۔

(ج) مخصوص حالات میں بعض مَردوں کا عفت وعصمت کا حصول اور حلال فائدہ حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہونا۔

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

(د) ایسے نوجوان اور مرد جو مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کافی عرصہ سے غیر ممالک میں مقیم ہوں اور جنسی خواہشات وضروریات کے ناجائز ذرائع اور حرام کاری سے بچنا چاہیں۔

نکاحِ مسیار کی شرائط

زواجِ مسیار میں مروّجہ نکاح کی تمام شرائط اور ارکان موجود ہوتے ہیں' جیسے مہر کی ادائیگی' ولی کی اجازت' گواہوں کی موجودگی' ایجاب وقبول وغیرہ۔ ان شرائط کی موجودگی میں ایک اضافی شرط ہوتی ہے جو اسے نکاحِ مسیار بناتی ہے۔ وہ یہ کہ شوہر نکاح کے موقع پر یہ شرط لگائے کہ عورت اپنے حقوق' نان نفقہ' رہائش' عدل (رات گزارنا) وغیرہ میں سے کوئی ایک یا سارے حقوق چھوڑ دے۔(۱)

فقہاء نے نکاح کی شرائط کو تین انواع میں تقسیم کیا ہے:

(ا) شرائطِ انعقادِ نکاح (ب) شرائطِ جوازِ نکاح (ج) شرائطِ لزومِ نکاح

انعقادِ نکاح کی پہلی شرط عقل' دوسری بلوغ اور تیسری رضامندی ہے۔ یہ وہ شرائط ہیں جن کا تعلق عاقدین نکاح سے ہے' جبکہ چوتھی شرط اتحادِ مجلس اور پانچویں مجلسِ عقدِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ہے (فقہاء کے نزدیک نکاح کے گواہوں کی کم از کم تعداد دو عاقل بالغ مرد ہیں)۔

مرد کے ذمہ نکاح کے حوالے سے دو اہم ترین فرائض عائد ہوتے ہیں:

(ا) مہر کی ادائیگی (ب) نان ونفقہ کی ادائیگی

اب اس کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مہر مکمل یا اس کا کچھ حصہ واپس کر دے' یا پھر ادائیگی سے قبل ہی مہر کو کُلّی یا جزوی طور پر معاف کر دے۔ اسی طرح کوئی عورت بوجہ اچھی ملازمت یا اپنی مضبوط مالی حیثیت کے پیشِ نظر شوہر کو نان ونفقہ کی ادائیگی سے آزاد کر دے' تو اس سے نفسِ نکاح میں کسی قسم کا کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔(۲) صحاحِ ستّہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت سودہ ؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کر دی تھی۔"(۳)

اگر شرعی طور پر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور پاک ﷺ کبھی بھی اس کو تسلیم نہ کرتے۔ چنانچہ ہر وہ شرط جو محض نکاح کی جوہری غرض اور اصلی مقصد پر اثر انداز نہ ہوتی ہو' تو وہ شرط صحیح ہے۔ یہ نہ تو عقدِ نکاح میں مخل ہوتی ہے اور نہ ہی اسے باطل کرتی ہے۔

موجودہ دور میں عرب علماء شیخ عبدالعزیز بن باز' یوسف القرضاوی وغیرہ اور مجمع الفقہ الاسلامی نے نکاحِ مسیار کو (کراہت کے ساتھ) جائز قرار دیا ہے۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے مکہ مکرمہ میں منعقدہ اٹھارہویں اجلاس میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

مجمع الفقہی اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ شادی کے نئے عقد' اگرچہ اس کے نام' اوصاف اور صورتیں مختلف ہیں' کو شریعت مطہرہ کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے تابع ہونا چاہیے۔ اور اس میں ارکان اور شروط پوری ہوں

اور (یہ) موانع سے خالی ہوں۔ عصر حاضر میں لوگوں نے بعض (ایسے) عقد شروع کر دیے ہیں' جن کے احکام ذیل میں ہیں۔

ایسا عقدِ زواج جس میں عورت رہائش' خرچ اور باری کی تقسیم یا کچھ دوسرے حقوق برضا و رغبت ختم کر دے۔ مرد دن رات میں جب چاہے' اس کے پاس آ سکتا ہو۔ اس میں ایسا عقد نکاح بھی شامل ہے کہ جس میں عورت اپنے گھر والوں کے ساتھ میکے میں ہی رہے اور زوجین جب چاہیں' عورت کے میکے یا کسی اور جگہ مل لیں (خلوت کر لیں)۔ اس طرح سے خاوند بیوی کو نہ تو رہائش اور نہ ہی خرچ (نفقہ) دے۔ یہ دونوں عقد اور اس طرح کے دوسرے عقد اس وقت صحیح ہوں گے' جب ان میں شادی کے ارکان اور شروط موجود ہوں اور کوئی مانع نہ پایا جائے' لیکن یہ خلافِ اولیٰ ہے۔

یہ ہمارے علم میں رہنا چاہیے کہ نکاح کی یہ صورت (نکاحِ مسیار) اگرچہ ایک مثالی اور مطلوبہ ضرورت نہیں' لیکن اس کے باوجود یہ اس وقت صحیح ہو گی جب اس میں شادی کی شروط اور ارکان پائے جائیں' جیسے (باہمی) رضامندی' ولی اور گواہوں کی موجودگی' یہی فتویٰ شیخ ابن باز نے دیا ہے۔ اس لیے کہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ شرعی طور پر مقرر کردہ اپنے سارے یا کچھ حقوق کو ساقط کر دے۔ اس سے نفس نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تاہم عام حالات میں ایسے نکاح کو بالکل پسندیدہ یا مستحسن بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن مخصوص حالات میں عفت و عصمت کے بچاؤ اور معاشرے میں زِنا کے سدباب کے لیے اس طرح کے نکاح کا جواز اور گنجائش نظر آتی ہے۔ واللہ اعلم!

حق مہر

نکاح کے لیے مہر کی ادائیگی بہت ضروری ہے اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اس کے لیے درج ذیل چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

(ا) مال (ب) صدقہ (ج) اجر (د) فریضہ

محرماتِ نکاح کے تفصیلی ذکر کے بعد فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ......﴾ (النساء: ۲۴)

''اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لیے حلال ہیں' اس طرح کہ تم اپنے اموال کے ساتھ (ان کو) نکاح میں لانا چاہو......''

اس مال دینے کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ﴾ (النساء: ۴)

''اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کرو۔''

صَدُقَه یا صَدَاق مہر کو کہا جاتا ہے۔

مہر کی مستحق صرف آزاد عورتیں ہی نہیں بلکہ کنیزیں بھی ہوتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......﴾ (النساء: ۲۵)

''پس ان (کنیزوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر حسب دستور ادا کرو......''

مسلمان عورتوں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں کے لیے فرمایا گیا:

﴿اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ (المائدۃ:۵)

''جب تم انہیں ان کے مہر ادا کرو۔''

مہر کا ادا کرنا چونکہ حکم خداوندی کے تحت ہے' اس لیے اس کے لیے **فریضة** کا لفظ بھی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ (البقرۃ:۲۳۶)

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو' جبکہ تم نے ابھی ان کو چھوا نہ ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔''

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ (النساء:۲۴)

''تو پھر جن عورتوں سے تم ازدواجی زندگی کا لطف اٹھاؤ تو ان کو دو ان کے مہر جو مقرر ہوئے ہیں۔''

مہر کا وجوب درج ذیل آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــًٔا مَّرِيْۗـــــًٔا ④﴾ (النساء)

''اور دے ڈالو عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے' پھر اگر وہ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ مزیدار سمجھ کر خوش گواری سے۔''

سورۃ النساء کی آیت ۳۴ کے الفاظ ﴿وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور اس سبب سے کہ جو وہ (مرد) اپنے اموال خرچ کرتے ہیں'' بھی مہر کے واجب ہونے پر دلیل ہیں۔ اسی طرح فقہاء نے آیت قرآنی ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۵۰) ''ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر (لازم) کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں'' سے بھی مہر کا وجوب ثابت کیا ہے۔

مہر سے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے:[۴]

(ا) مہر' جو لڑکی کا حق تھا' اس کو نہ دیا جاتا' بلکہ لڑکی کے اولیاء (سرپرست) شوہر سے وصول کر لیتے تھے۔ اس زیادتی کو ختم کرنے کے لیے سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ﴾ ''اور ادا کرو عورتوں کو ان کے مہر''۔ اس کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بیوی کا مہر خود بیوی کو دیں۔ نیز اس میں لڑکیوں کے اولیاء سے بھی خطاب ہے کہ اگر لڑکیوں کے مہر ان کو وصول ہو جائیں یا وصول کر لیں' تو یہ لڑکیوں کو ہی ادا کریں۔ ان کی اجازت اور قلبی رضامندی کے بغیر اپنے تصرف میں ہرگز نہ لائیں۔

(ب) اگر کبھی کسی کو مہر دینا ہی پڑ جاتا تو اسے وہ بہت غصے اور تلخی کے ساتھ، بادلِ نخواستہ، تاوان سمجھ کر دیتے تھے۔ اس ظلم کا ازالہ آیت مذکور کے لفظ ''نِحۡلَةً'' سے فرمایا گیا۔ لغت میں نِحۡلَةً اس عطیہ کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ کی امید کے دیا جائے۔ جیسا کہ بیضاوی میں تصریح ہے: **نحلة عطية اذا اعطاه ايّاه عن طِيب نفسٍ بلا توقع عوض۔**

(ج) بہت سے شوہر یہ سمجھ کر کہ بیوی مجبورِ محض ہے، مخالفت کر ہی نہیں سکتی، دباؤ ڈال کر اس سے مہر معاف کروا لیتے تھے۔ اس سے درحقیقت معافی نہیں ہوتی، مگر وہ یہ سمجھ کر بالکل بے فکر ہو جاتے کہ اب تو حق مہر معاف ہو گیا ہے، دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس ظلم کے انسداد کے لیے آیت میں ارشاد ہوا: ﴿فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا﴾ (النساء: ٤) ''اگر وہ عورتیں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہر کا کچھ حصہ تمہیں دے دیں''۔ مطلب یہ ہوا کہ زیادتی اور دباؤ کے ذریعے معافی حاصل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اس سے درحقیقت کچھ بھی معاف نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ عورتیں کلی طور پر اپنے اختیار اور رضامندی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کر دیں یا لینے کے بعد تمہیں واپس کر دیں، تو ایسی صورت میں وہ تمہارے لیے جائز اور درست ہوگا۔

مذکورہ مظالم زمانہ جاہلیت میں تو بہت زیادہ تھے، جن کا قرآن حکیم کی اس آیت میں انسداد ہوا، لیکن سخت افسوس، دکھ اور جہالت کی بات ہے کہ ان مظالم کا سلسلہ ابھی تک مسلمانوں میں جاری ہے۔ مختلف قبیلوں، ذاتوں، خاندانوں اور علاقوں میں ان مظالم میں سے کچھ مظالم یا کوئی ظلم لازمی پایا جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان سب سے بچنا بہت لازم ہے۔

اس آیت میں جو طیب نفس کی قید لگائی گئی کہ تمہاری بیویاں اگر اپنی خوشی سے تمہیں مہر کا کچھ حصہ واپس کر دیں یا تم سے وصول ہی نہ کریں، تو تم اس کو بغیر کسی بوجھ کے کھا سکتے ہو، اس سے شریعت کے ایک بہت اہم ضابطے کا علم ہوتا ہے۔ یہ بنیادی شرعی اصول ہے کہ کسی کا ذرا سا مال بھی کسی دوسرے کے لیے قطعاً حلال نہیں، جب تک کہ طیب نفس (خوش دلی) سے اس کی اجازت نہ دی گئی ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ((**أَلَا لَا تَظْلِمُوْا، أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِیءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ**))(٥) ''خبردار! ظلم نہ کرو! خبردار! اچھی طرح سے سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کے لیے) حلال نہیں ہے، جب تک کہ اس کے دل کی خوشی سے حاصل نہ ہو''۔ اسی سے زبردستی کے چندے، عطیے اور ہدیے کا راستہ بھی رکتا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اگر عورت خود نہ بھی مانگے تو اس سے حق مہر کی معافی نہیں ہو جاتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ کوئی عورت شوہر کو حق مہر معاف کر دے اور اگر پھر اس مہر کا مطالبہ کرے، تو شوہر کو ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اس لیے کہ یہ مطالبہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس نے دل سے معاف نہیں کیا تھا۔

آج کل بہت سی عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنا تو ہے نہیں، اگر مانگوں یا معاف نہ کروں تو اس سے گھر میں غصہ، تناؤ، بدمزگی اور فساد پیدا ہوگا، تو بادلِ نخواستہ وہ اسے معاف ہی کر دیتی ہیں، حالانکہ شرع میں ایسی معافی کا قطعاً

کوئی اعتبار نہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ صحیح معنوں میں طیب نفس سے معاف کرنے کا پتہ اس صورت میں چل سکتا ہے کہ مہر کی پوری رقم بیوی کے حوالے کر دی جائے۔ اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی دباؤ یا ہتھکنڈے کے‘ تھوڑا یا زیادہ حصہ واپس کر دے۔ اس سے قطعاً یہ گنجائش نہیں نکلتی کہ بیوی کو حق مہر ادا ہی نہ کیا جائے اور ویسے ہی کسی لالچ یا جذباتی لمحے کی معافی کو کافی جان کر انسان بالکل مطمئن ہو جائے۔ یہ تو سراسر غصب کے زمرہ میں آتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمان الٰہی ہے: ﴿فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴﴾ ’’تو اس کو کھاؤ مزے مزے سے‘‘۔ هَنِيْٓـًٔا اور مَّرِيْٓـًٔا دونوں فعیل کے وزن پر صفت کے الفاظ ہیں۔ هَنِيْٓـًٔا (مَنْ هَنَأَ وَهَنُؤَ وَهَنِئَ) لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مشقت اور تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ جب یہ طعام کی صفت واقع ہو تو اس کے معنی خوشگوار طعام کے ہیں۔ یعنی ایسا طعام (کھانا) جو کسی محنت اور تکلیف کے بغیر حلق سے اُتر جائے اور آسانی سے ہضم ہو کر جزوِ بدن بن جائے۔ مَرِيْٓـًٔا (مَنْ مَرأَ الطَّعَامَ فَهُو مَرِیءٌ أی هَنِیءَ) کا لفظ بھی مذکورہ معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (بحوالہ القاموس) غرضیکہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں‘ هَنَأَ‘ يَهْنِئُ اور مَرِئَ‘ يَمْرُؤُ سے مشتق اور مصدر کی جگہ رکھے گئے ہیں۔

آیت قرآنی میں صَدُقات کا لفظ آیا ہے‘ یہ صَدُقَه کی جمع ہے۔ صدُقه اور صَداق عورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے۔ ملا علی قاری مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں لکھتے ہیں: مہر کو صَداق اور صَدُقة اس لیے کہا جاتا ہے کہ ص د ق کے اس مادہ میں سچ کے معنی ہیں اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے‘ اس لیے اس مناسبت سے مہر کو صَداق (صَدُقَة) کہنے لگے۔(۶)

واضح رہے کہ مہر شریعت اسلامی میں بیوی کی کوئی قیمت نہیں‘ جسے اولیاء (سرپرستوں) کو دے کر شوہر اسے حاصل کرتا ہے‘ بلکہ حق مہر بطور ہدیہ‘ عطیہ اور نذرانہ کے ہے جو شوہر بغرضِ اکرام و اعزاز اور خوش دلی سے براہِ راست بیوی کے قدموں میں نچھاور کرتا ہے۔ ایسا اس لیے بھی چاہیے تاکہ یہ عمل اس مؤدت و انس اور محبت کی دلیل بن سکے‘ جس کا زندگی گزارنے کے لیے زوجین میں پایا جانا اشد ضروری ہے۔ اسی کو قرآن پاک میں ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ﴾ (الروم: ۲۱) ’’اور اس نے تمہارے (زوجین کے) درمیان محبت اور ہمدردی رکھ دی‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿اٰتُوا النِّسَآءَ﴾ فرما کر یہ ہدایت دی گئی کہ مہر کی رقم اپنی بیویوں کو ادا کرو‘ نہ کہ ان کے اولیاء اور والدین کو۔ ابن ابی حاتم نے ابوصالح سے روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بچی کا نکاح کرتا تو اس کا مہر خود وصول کرتا‘ بچی کو مہر نہ دیا جاتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور حدیث میں بھی ممانعت آ گئی۔ امام بغوی نے کہا کہ عورت کا ولی جب اس کی شادی کرتا‘ تو اگر وہ عورت قبیلہ میں ہی رہتی تو اس صورت میں اسے مہر میں سے کچھ بھی نہ دیا جاتا۔ اگر اس کا خاوند قبیلے سے باہر کا اجنبی ہوتا تھا تو ایک اونٹ پر سوار کر کے اسے خاوند

کے پاس بھیج دیا جاتا تھا اور مہر میں سے اسے کوئی چیز بھی نہ ملتی تھی۔

ابوعبیدہ نے کہا کہ نِحْلَۃ کا معنی ہے خوش دلی سے۔ یہ اٰتُوا فعل سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یا اٰتُوا فعل کے فاعل سے حال ہے یا صَدُقٰت سے حال ہے۔ یعنی مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں مال دیا ہے اس میں سے دو' نہ کہ کسی اور کے مال سے یا ایسے مال سے جس میں کوئی شبہ ہو۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ نِحْلَہ وہ مال ہوتا ہے جو معین اور معلوم ہو۔ جب یہ مہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لیے عطیہ ہے تو خاوندوں کے لیے اسے عورتوں کو ادا کرنا فرض ہوگیا۔ اس کو دیکھتے ہوئے قتادہ نے نِحْلَۃ کا معنی ''فریضہ'' کیا ہے۔ ابن جریر نے کہا کہ اس کا معنی ''معین فریضہ'' ہے۔ زجاج کے قبول اس کا مطلب ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا ہوا'' ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: انتحل فلان کذا۔ اس صورت میں نِحْلَۃ ماقبل فعل کا مفعول ہوگا یا پھر صَدُقٰت سے حال ہوگا۔ گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا ہوا قانون ہے' اس لیے تم اس کی پیروی کرو۔ نفسًا، طِبْنَ کے اسناد سے تمیز ہے' یعنی اگر وہ خوش دلی سے تمہیں مہر میں سے کوئی چیز' حصہ یا رقم دیں۔ یہاں مبالغہ کے لیے طیب نفس کو فعل کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ پھر فعل کو نفسھن سے اصحابِ نفوس کی طرف پھیرا ہے اور عن حرف جارہ صلہ ذکر کیا ہے' کیونکہ یہ تجافی اور تجاوز کا معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مِن بعضیہ ذکر کرنے میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ جو چیز تمہیں ہبہ کی گئی ہے اسی پر اکتفا کرو' اگرچہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو اور زیادہ یا تمام کی خواہش کرنا چھوڑ دو۔ (۷)

﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ﴾ سے واضح ہوتا ہے کہ بیویوں کی طرف سے مہر کے حصے کی واپسی بغیر کسی جبر اور دباؤ کے ہونی چاہیے۔ اور شوہر کی طرف سے کسی مکروفریب' حیلہ یا لالچ کا سہارا نہ لیا جائے' یا دھوکے سے اشٹام پر انگوٹھا نہ لگوایا جائے۔ ایسی صورت میں قاضی یا عدالت کی طرف سے کوئی بھی فیصلہ ہو' اللہ کے نزدیک وہ معاف نہیں سمجھا جائے گا اور شوہر کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

عورت کی طرف سے معافی پورے مہر کی بھی ہوسکتی ہے اور اس کے کسی جزو کی بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو یہ ''ہبہ'' کہلائے گا اور اگر لیے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اسے اصطلاحِ فقہ میں ''ابداء'' کہتے ہیں۔ شرعاً دونوں صورتیں درست ہیں۔

زیادہ مہر کے لیے شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ مشہور واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کے لیے چالیس اوقیہ کی انتہائی حد مقرر کرنا چاہی تو اس پر ایک عورت نے انہیں ٹوک کر کہا کہ آیت قرآنی ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ (النساء: ۲۰) ''اگر تم نے عورتوں کو ڈھیر سارا مال بھی دیا ہو' تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو'' کی رو سے آپ کو ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس دلیل کو سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اِمْرَاَۃٌ اَصَابَتْ وَرَجُلٌ اَخْطَاَ ''ایک عورت نے صحیح بات کہی اور مرد غلطی کر گیا''۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں۔ (۸)

مہر کی کم از کم مقدار کے لیے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول ہے کہ یہ شرعاً مقرر ہے اور یہ مال کی وہ مقدار ہے کہ جس پر چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے۔ اس کی مقدار میں دونوں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ مقدار دس درہم یا ایک دینار ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ دینار کا چوتھائی حصہ یا تین درہم ہے۔ دونوں نے اپنا نقطہ نظر سورۃ الاحزاب کی اس آیت ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ﴾ سے ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں فرض کا معنی تقدیر ہے۔ پس مہر شرع کی طرف سے معین ہے اور جس نے اسے معین نہ کیا' وہ کتاب اللہ کے حکم کو باطل کرنے والا ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تقدیر کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے اور اسے بندے کے سپرد نہیں کیا گیا۔ صاحب ہدایہ' شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی' کتاب النکاح میں احناف کی دلیل پر یہ حدیث لائے ہیں: وَلَا مَهرَ اَقلّ مِن عَشرة ''اور دس درہم سے کم مہر نہیں۔''(۹)

دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے حق مہر اس لیے واجب کیا ہے کہ عورت کے شرف و احترام کا اظہار ہو' تو پھر اس کا اندازہ اور مقدار کم از کم اتنی تو ہونی چاہیے جو موزوں اور مناسب لگے۔ البتہ احادیث میں زوجین کی رضامندی پر اس سے کم مہر بھی نکاح میں ثابت ہے۔ مہر سے متعلق حضور کریم ﷺ کی واضح حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ سَلَمة قَالَتْ :سَاَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَتْ :كَانَ صَدَاقُهٗ لِاَزْوَاجِهٖ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اُقِيَّةً وَنَشًّا ' قَالَتْ :اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ؟ قُلْتُ :لَا' قَالَتْ : نِصْفُ اُوْقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ (۱۰)

''حضرت ابوسلمہ ؓ کہتے ہیں' میں نے زوجہ رسول ﷺ حضرت عائشہ ؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا مہر (اپنی ازواج کے لیے) کتنا تھا؟ انہوں نے فرمایا: بارہ اوقیہ اور نش۔ (پھر) پوچھا: کیا تم جانتے ہو نش کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ (تو حضرت عائشہؓ نے) فرمایا: نصف اوقیہ' پس یہ پانچ سو درہم ہوئے۔''

احادیث صحیحہ سے البتہ یہ واضح ہے کہ مہر کے بڑھانے میں مبالغہ کرنا اور مرد کی قوتِ برداشت سے زیادہ مہر رکھنا/رکھوانا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے مروی ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلْزِمُوا النِّسَاءَ الرِّجَالَ وَلَا تُغَالُوْا فِی الْمُهُوْرِ)) (۱۱)

''عورتوں کو مردوں کے پلے باندھنے (نکاح کرنے) کی کوشش کرو اور مہر میں حد سے نہ بڑھو۔''

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُنَّ مَؤُوْنَةً)) (۱۲)

''یقیناً برکت کے لحاظ سے عظیم ترین عورتیں وہ ہیں جو (مہر اور نان نفقہ کے) اخراجات کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسانی والی ہوں۔''

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی حدیث ((خَيْرُ النِّسَاءِ اَيْسَرُهُنَّ صَدَاقًا))(۱۳) کی رو سے بہترین عورتیں وہ ہیں جن کے مہر میں (ان کے شوہروں کو) سہولت ہو۔ مزید ارشاد مبارک ہے:

''مبارک عورت وہ ہے جس سے منگنی کرنا آسان ہو‘ جس کا مہر دینا آسان ہو اور جس کے ساتھ حسن سلوک کرنا آسان ہو۔'' (۱۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ، فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مُكَرَّمَةً فِي الدُّنْيَا اَوْ تَقْوًى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ اَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم، مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهٖ وَلَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهٖ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً (۱۵)

''دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو‘ کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ مجھے علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو یا اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔''

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور بیٹی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا‘ اور یہ ایک سو اکتیس تولے اور تین ماشے چاندی بنتی ہے۔ اس کو ''مہر فاطمی'' بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں روپے میں اس کا حساب وقت کے نرخ کے مطابق ہوگا۔ فقہ حنفی میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے اور ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے‘ اس سے کم مقرر کرنا صحیح نہیں۔ یہ جو بتیس یا سوا بتیس روپے کو ''مہر شرعی'' سمجھا جانے لگا ہے‘ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ (۱۶)

یہ واضح رہنا چاہیے کہ مہر مقرر کر کے اس کے ادا نہ کرنے کی نیت پہلے سے ہی رکھی جائے‘ تو یہ فسادِ نکاح ہے اور عنداللہ یہ صحیح نہ ہوگا۔ البتہ مہر انعقادِ نکاح کے لیے شرط نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً عَلٰى صَدَاقٍ وَهُوَ يَنْوِيْ اَنْ لَا يُؤَدِّيَهٗ اِلَيْهَا فَهُوَ زَانٍ)) (۱۷)

''جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو‘ وہ زانی ہے۔''

اسی طرح ایک دوسری حدیث کا مضمون ہے کہ جس شخص نے تھوڑے یا زیادہ جس قدر مہر پر بھی کسی عورت سے نکاح کیا اور دل ہی دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ بیوی کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا‘ تو یہ اس کو دھوکہ دینا ہوگا۔ اور اگر اس نے اس حق کو ادا نہ کیا اور مر گیا تو قیامت کے روز خدا کے سامنے زناکار کے روپ میں پیش ہوگا۔ (۱۸)

البتہ اگر نکاح کے وقت مہر متعین نہیں ہو پایا‘ تو مجامعت کی صورت میں ''مہر مثل'' لازم ہوگا۔ یعنی اس خاندان میں عموماً لڑکیوں کا جتنا مہر رکھا جاتا ہے‘ اتنا ادا کرنا لازم ہے۔ اگر مرد مہر ادا نہیں کرتا اور شرعی طریقے سے وہ معاف بھی نہیں ہوا‘ اس صورت میں وہ مرد کے ذمے قرض ہے اور واجب الادا رہے گا۔ انتقال ہونے پر پہلے مہر کی ادائیگی ہوگی‘ پھر ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

اسی طرح مہر نقدی کی صورت میں دینا بھی ضروری نہیں‘ بطور زیور بھی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ فوری گنجائش نہ

ہونے کی وجہ سے قسطوں پر بھی مہر باہمی رضا مندی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ اگر میاں بیوی کے ملاپ سے پہلے بیوی فوت ہو جائے' تو خاوند کے ذمے نصف مہر واجب الادا ہے۔ اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا تو شوہر کو پورا مہر دینا لازم ہے۔ (۱۹) مہر اگر نکاح کے وقت فوری ادا نہیں کیا گیا' تو بعد میں زوجین کی باہمی رضا مندی سے کم و بیش کیا جا سکتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُم بِهِ مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ (النساء:۲۴)

''اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقررہ کے بعد تم آپس میں (اس کی کمی بیشی پر) رضا مند ہو جاؤ۔''

اگر نکاح کے بعد صحبت / خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہو جائے' اور مہر متعین نہیں ہوا تھا' تو خاوند کو پھر بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ عطیہ ضرور دینا ہوگا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرۃ:۲۳۶)

''صاحبِ حیثیت اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی توفیق کے مطابق حسبِ دستور (ان عورتوں کو) کچھ سامان ضرور دے۔''

قرآن پاک نے اس عطیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی' البتہ اتنا واضح کر دیا ہے کہ یہ مرد کو اپنی حیثیت کے مطابق بخوشی دینا چاہیے۔ اس میں یہ ترغیب موجود ہے کہ صاحب حیثیت تنگی سے کام نہ لے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایسے ایک واقعہ میں بیس ہزار کا عطیہ دیا اور قاضی شریح نے پانچ سو درہم کا۔ اس ضمن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ کم از کم ایک (اچھا اور مکمل) جوڑا کپڑے کا ضرور دے۔ (۲۰)

اور اگر مہر متعین ہو چکا تھا تو (اس صورت میں) اس کا نصف ادا کرنا لازم ہے' البتہ عورت اپنا حق مہر چھوڑنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ......﴾ (البقرۃ:۲۳۷)

''اور اگر تم ان کو طلاق دے دو' اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو' اور تم ان کے مہر مقرر کر چکے ہو تو مقرر کیے ہوئے کا آدھا ادا کر دو' مگر یہ کہ وہ (بیویاں) معاف کر دیں......''

البتہ پسندیدہ امر یہی ہے کہ خاوند پورا مہر بخوشی ادا کر دے۔

ادائیگی کے لحاظ سے مہر کی دو اقسام ہیں: (ا) مہر معجّل (ب) مہر غیر معجّل (مؤجل)۔ مہر معجّل کی فوری ادائیگی لازمی ہے اور اس کے ادا نہ کر سکنے کی صورت میں عورت اپنے نفس کو مرد سے روک سکتی ہے۔ نکاح میں مہر معجّل مقرر کرنا ہی افضل ہے۔ مہر غیر معجّل ایک مدت کے بعد ادا کرنا ہوتا ہے اور یہ عرصہ متعین ہونا چاہیے۔ اس مدت متعینہ سے پہلے عورت کو طلب کرنے کا اختیار نہیں۔ مہر ''عند الطلب'' طے ہونے پر' عورت جب بھی مانگے' ادا کرنا ضروری ہوگا۔

فی زمانہ مہر کی ادائیگی میں بہت تساہل برتا جا رہا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوئی فکر ہی نہیں کی جاتی۔ بیوی کو

تحائف تو دیے جاتے ہیں اور شاپنگ کے حوالے سے اس کے ناز نخرے بھی بخوشی برداشت ہوتے ہیں' لیکن حق مہر کی کوئی پروا نہیں کی جاتی ۔ یوں اس کی ادائیگی کا بوجھ سر پر رہتا ہے' اور آخرت میں بھی اس بارے لازمی جواب دہی ہوگی ۔ اس مسئلے کا ایک آسان حل یہ ہے کہ شادی میں بیوی کو جو بھی زیورات' منہ دکھائی اور ہدایا وغیرہ دیے جائیں' انہیں مہر میں شمار کرلیا جائے ۔ اس طرح سے اس فریضہ کی ادائیگی بسہولت ہوسکتی ہے ۔

(نان و) نفقہ

اسلامی قانون میں ازدواجی زندگی کے لیے جو ضابطہ مقرر کیا گیا ہے' اس کے مطابق شوہر پر بیوی کو مہر کے ساتھ نفقہ کی ادائیگی بھی لازم ہے ۔ عورت کا کام جہاں گھر کی نگرانی اور خانگی فرائض سرانجام دینا ہے' وہیں مرد کے ذمے اپنے اہل و عیال کے لیے ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا بھی ہے ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (النساء: ٣٤)

''مرد عورتوں پر منتظم ہیں' اس بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ وہ اپنے اموال میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ﴾ (آیت ٢٣٣)

''اور جس کا لڑکا ہے (یعنی باپ) اس پر ان عورتوں (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔''

اسی طرح فقہاء نے سورۃ الاحزاب کی آیت ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ (آیت ٥٠) ''ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے اس پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے حق میں'' سے بھی وجوبِ نفقہ ثابت کیا ہے ۔

عورت کے نفقہ کی مقدار کے حوالے سے ہدایت ربانی ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ﴾ (الطلاق: ٧)

''تاکہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق اور جس (شخص) پر رزق تنگ ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت اور قدرت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔''

احادیث رسول ﷺ میں بھی ہمیں نان و نفقہ کے حوالے سے تعلیم دی گئی ہے ۔ ذیل میں چند احادیث مبارکہ بیان کی جاتی ہیں:

☆ ((وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ)) (٢١)

''اور تمہارے ذمے مناسب طریقے سے ان (ازواج) کے کھانے پینے اور کپڑے کا بندوبست کرنا ہے۔''

☆ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ بیوی کا کیا حق ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا:
((اَنْ تُطْعِمَھَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَکْسُوْھَا اِذَا اکْتَسَیْتَ))[۲۲]
''یہ کہ جب تو کھائے' اسے (بیوی کو) بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے بھی پہنائے۔''

☆ ((اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَةً))[۲۳]
''جب مسلمان اپنے گھر والوں پر آخرت میں اجر پانے کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ بنتا ہے۔''

☆ ((دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ فِیْ رَقَبَةٍ، وَدِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِہٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ، وَدِیْنَارٌ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ، اَعْظَمُھَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَہٗ عَلٰی اَھْلِکَ))[۲۴]
''ایک دینار تو وہ ہے جو تو نے جہاد کے سلسلہ میں خرچ کیا' ایک دینار وہ ہے جس سے غلام کو آزادی دلانے میں مدد کی' ایک دینار وہ ہے جو کسی غریب مسکین پر خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جو اپنے اہل وعیال (بیوی بچوں) پر خرچ کیا' یہ (دینار) اجر میں ان سب سے بڑھ کر ہے۔''

☆ ((مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰی اَھْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ لَقِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَوَجْھُہٗ مَثَلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ))[۲۵]
''جس شخص نے حلال ذرائع سے دنیا طلب کی تاکہ خود کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچائے رکھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی مہیا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے' وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمک رہا ہوگا۔''

گویا گھر کی ضروریات اور بیوی بچوں کی کفالت شوہر کی ذمہ داری ہے۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بیوی شوہر سے نان ونفقہ لینے کی اُس وقت تک مستحق ہے جب تک وہ اپنے شوہر کے گھر آباد ہو۔ اگر وہ بغیر کسی شرعی حق کے شوہر کی اجازت اور منشا کے بغیر اپنے میکے بیٹھ جائے تو وہ شرعاً ناشزہ (نافرمان) ہے اور ناشزہ کا نان ونفقہ شوہر کے ذمے واجب نہیں۔

اب نان ونفقہ میں نزاع کی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ شوہر نفقہ دینے کی استطاعت رکھتا ہو اور نہ دے' اور دوسری یہ کہ اس میں اس کے ادا کرنے کی قدرت ہی نہ ہو۔ پہلی صورت میں تو یہ امر متفق علیہ ہے کہ قاضی اس کو نفقہ ادا کرنے پر ہر ممکن طریقے سے مجبور کر سکتا ہے' لیکن اگر شوہر اس کے حکم کی تعلیم نہیں کرتا تو اب اختلاف ہے کہ ایسی صورت حال میں کیا کرنا چاہیے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت خود اپنے نفقے کا بندوبست کرے' خواہ اسے شوہر کے نام پر قرض لینا پڑے یا محنت مزدوری کرنی پڑے' یا پھر اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار سے مدد لینا پڑے۔ جبکہ اس کے برخلاف مالکیہ کا مسلک ہے کہ ایسی صورت میں مجبوراً قاضی کو خود طلاق واقع کر دینے کا حق حاصل ہے۔ بعض علمائے احناف نے بھی مالکیہ کے اس فتوے کو اختیار کیا ہے' مگر اس شرط کے ساتھ کہ عورت خود نفقہ کا انتظام نہ کر سکتی ہو یا اگر کر سکتی ہو تو شوہر سے علیحدہ رہنے کی صورت میں اس کے معصیت میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو۔ لیکن قرآن پاک کی رو سے نفقہ عورت کا حق ہے' جس کے معاوضے میں ہی

شوہر کو اس پر حقوقِ زوجیت حاصل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص قصداً اس حق کو ادا کرنے سے انکاری ہے تو عورت کو زبردستی اس کے عقدِ نکاح میں رکھنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ جب تک عورت کسی شخص کے نکاح میں ہے‘ اس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار اس کا شوہر ہی ہے۔ حالت نکاح میں اس کو خود روزی کمانے‘ اپنے رشتہ داروں پر بار ڈالنے یا ایک ظالم شوہر کے نام پر قرض لینے کی غیر ممکن الحصول کوشش پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری صورت ’’عدمِ استطاعت‘‘ میں احناف کا پھر یہی مسلک ہے کہ عورت کو صبر کی تلقین کی جائے یا پھر وہ کسی عزیز کی مدد اور قرض وغیرہ پر گزارا کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ ہر اُس شخص پر واجب ہے جس پر بن بیاہی ہونے کی بنا پر اس کی پرورش اور گزارے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہو۔ لیکن امام مالک‘ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا موقف ہے کہ اگر عورت ایسے شوہر کے ساتھ زندگی نہ گزار سکتی ہو اور علیحدگی کا دعویٰ کرے‘ تو پھر علیحدگی (تفریق) کرا دی جائے گی۔ امام مالک کے نزدیک شوہر کو مہینہ‘ دو مہینہ یا مناسب مدت تک مہلت دی جائے گی کہ وہ نان ونفقہ کا بندوبست کر سکے‘ امام شافعی صرف تین دن کے انتظار کا کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بلا تاخیر زوجین میں تفریق کرا دی جائے گی۔

اس حوالے سے قرآن پاک کا قاعدہ جو ﴿وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ؕ﴾ میں بیان ہوا ہے‘ نہ صرف ائمہ ثلاثہ کی تائید کرتا ہے‘ بلکہ احادیث وآثار کی رو سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے۔ دارقطنی اور بیہقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ منقول ہے کہ عدمِ نفقہ کی صورت میں زوجین میں علیحدگی کرا دی جائے۔ حضرت عمر‘ حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔ تابعین میں سے یہی حضرت سعید بن مسیبؒ کا فتویٰ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عمل ہے۔ احناف کا استدلال آیت قرآنی ﴿وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ﴾ سے ہے۔ حالانکہ اس آیت سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نفقہ کے لیے شرعاً کوئی مقدار مقرر نہیں‘ بلکہ اس کا انحصار نفقہ دینے والے (شوہر) کی مالی حیثیت پر ہے۔ اس سے یہ مطلب تو نہیں نکلتا کہ جہاں ادائیگی نفقہ سرے سے موجود ہی نہ ہو‘ وہاں عورت کو زبردستی رہنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ مقامِ عزیمت اور اخلاقی کمال تو ہو سکتا ہے کہ ایک عورت فاقہ کشی‘ مصیبت یا تنگی اور آزمائش کے باوجود اپنے شوہر کا ساتھ دے‘ لیکن اسے کسی صورت شرعی مجبوری کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اخلاقی تعلیم اور شرعی حق کا علیحدہ علیحدہ مقام ہے۔ اگر عورت اپنے نفقہ کا حق برضا ورغبت چھوڑ دے یا چھوڑ سکتی ہو اور شوہر کی رفاقت کو ہی پسند کرے‘ تو واقعی قابلِ تعریف اور لائق تحسین ہے‘ لیکن اگر نان ونفقہ کے بغیر اس کا گزارا نہ ہو اور اس کے چھوڑنے کی استطاعت نہ پائی جاتی ہو‘ تو پھر اسلام کے نظامِ عدل وانصاف میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ اس کو تکلیف اور جبر کے ساتھ مقامِ عزیمت پر ٹھہرانے کی کوشش کی جائے۔ اس ضمن میں امام مالک کا مسلک سب سے احسن ہے کہ شوہر کو مناسب مدت تک مہلت دینے کے بعد ہی زوجین میں علیحدگی اور تفریق کا حکم دیا جائے۔ (۲۶)

اسی طرح مطلقہ حاملہ کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ﴾ (الطلاق:٦)

''اور اگر مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو اُس وقت تک ان کا نفقہ ادا کرتے رہو جب تک انہیں وضع حمل نہ ہو جائے۔''

اسی لیے مطلقہ حاملہ کے بارے میں پوری اُمت کا اجماع ہے کہ اس کا نفقہ اس کی عدت (وضع حمل تک) پوری ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔ اب جو مطلقہ حاملہ نہیں اور اس کو طلاق رجعی دی گئی ہے' تو عدت پوری ہونے تک اس کے نفقہ کا شوہر پر واجب ہونے پر بھی اجماعِ اُمت ہے۔ باقی رہی وہ مطلقہ جس کو طلاقِ بائن یا طلاقِ ثلاثہ دی گئی ہے یا اس نے خلع لیا ہے تو اس صورت میں امام شافعی' امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کا قول ہے کہ اس کا نفقہ شوہر پر دورانِ عدت واجب نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح حقِ سُکنیٰ (رہائش) تمام مطلقات کے لیے لازم (واجب) ہے' اسی طرح حقِ نفقہ بھی تمام مطلقات کے لیے لازم ہے۔ ان کی دلیل مذکورہ بالا آیت کا پہلا حصہ ہے:

﴿اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ﴾ (الطلاق:٦)

''ان عورتوں کو گھر (رہائش) دو رہنے کے واسطے جہاں تم رہو' اپنے مقدور (حیثیت) کے مطابق۔''

اس میں تمام مطلقات کے لیے حق سکنیٰ لازم (واجب) ٹھہرایا گیا ہے۔

اس آیت کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت یوں ہے:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ وَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ مِنۡ وُّجۡدِكُمۡ

ایک قراءت دوسری قراءت کی تفسیر کرنے والی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ کی مشہور قراءت جس میں لفظ اَنۡفِقُوۡا مذکور نہیں' اس میں بھی گویا یہ لفظ محذوف ہے اور اس نے جس طرح تمام مطلقات کا حقِ سُکنیٰ شوہروں پر لازم کیا ہے' اسی طرح ایامِ عدت کا حق نفقہ بھی ان پر واجب کر دیا ہے۔ اس کی تائید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قول سے ہوتی ہے' جس میں انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی' جن کو ان کے شوہر نے طلاقِ ثلاثہ دی تھی' اس روایت کو کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نفقہ ان کے شوہر پر لازم نہیں کیا تھا' یہ کہہ کر ردّ فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول (روایت) کی بنا پر کتاب اللہ اور سنتِ رسول کو نہیں چھوڑ سکتے' جس میں تمام مطلقات کا نفقہ شوہروں پر واجب کیا گیا ہے (صحیح مسلم)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے قول کو ردّ کیا ہے۔ (٢٧)

اس روایت میں کتاب اللہ کے حوالے سے بظاہر یہی آیت مراد ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مفہومِ آیت میں نفقہ بھی داخل ہے' جبکہ سنتِ رسول سے مراد وہ حدیث ہے جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے طحاوی' دار قطنی اور طبرانی میں روایت کی گئی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ نے مطلقہ ثلاثہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب کیا ہے۔

تفسیر ابن کثیر کے مطابق ضحاک کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کے ساتھ چھوٹا

بچہ بھی ہو تو اس کے دودھ پلانے تک (دو سال کا) خرچہ اور نفقہ باپ پر واجب ہے۔ اب گویا عدت کے دوران حمل والی عورت کا نان و نفقہ تو صراحتاً اس آیت نے واجب قرار دے دیا۔ اسی طرح مطلقہ رجعیہ کا چونکہ ابھی تک شرعاً نکاح نہیں ٹوٹا‘ اس لیے اس کے نفقہ کے وجوب پر بھی اتفاق ہے۔ مطلقہ بائنہ یا ثلاثہ کے معاملے میں فقہائے اُمت کا اختلاف ہے۔ احناف کے مسلک میں اس کا نفقہ بھی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کا ظاہر روایت میں قول ہے کہ بالغہ بچی اور اپاہج (معذور) بالغ بچے نیز نابالغ بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ اسی طرح بوڑھے والدین کا نفقہ اولاد پر واجب ہے[۲۸]۔ امام مالک کا قول ہے کہ والدین کا نفقہ صلبی اولاد پر (واجب) ہوتا ہے۔ اس میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہیں‘ بشرطیکہ دونوں خوشحال ہوں۔ اور اگر ان میں سے ایک خوشحال ہو اور دوسرا فقیر (بدحال) ہو‘ تو نفقہ خوشحال پر لازم ہوگا۔[۲۹] احناف کے نزدیک نان و نفقہ کے حوالے سے شوہر کی مالی حیثیت کو ہی مدنظر رکھا جائے گا۔

والدہ اور بیوی کے درمیان خرچہ کی تقسیم

آخر میں ایک معرکۃ الآرا عائلی مسئلے‘ جس میں اکثر افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے‘ کی طرف توجہ مبذول کرانی مقصود ہے۔ یہ قضیہ والدہ اور بیوی کے درمیان خرچے کی تقسیم کا ہے۔ اس میں یا تو والدہ مکمل طور پر بااختیار اور حاوی ہو کر بہو کو اپنا محتاج بنا دیتی ہے‘ یا پھر بہو اپنی حکمرانی کا سکّہ جماتے ہوئے ساس کو مالی ضروریات کے حوالے سے ترساتی ہے۔ رہ گیا بے چارہ شوہر‘ تو وہ غریب چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پستا رہتا ہے۔ اس حوالے سے اسلام ہمیں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ مرد کو چاہیے کہ وہ والدین کی ضروریات کو بھی حتی المقدور پوری کرے اور بیوی بچوں کی بھی حسب استطاعت کفالت کرے‘ کسی کی بھی حق تلفی نہ ہونے پائے۔

اس ضمن میں کتاب ’’الزوج الصالح‘‘ (صالح خاوند) سے ایک اقتباس توجہ کا اشد طالب ہے:

> ’’بعض اوقات شوہر اپنے والدین کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے کہ بیوی فضول خرچ اور پھوہڑ ہے‘ گھر کے مناسب اخراجات سے بھی ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ یہ بات قابل اصلاح ہے۔ پہلے والے وقت لد گئے۔ والدین کے زمانہ میں گھر کے اخراجات پر جو رقم اُٹھتی تھی‘ آج کل ہم اس کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ جہاں آمدنی میں ترقی ہوئی ہے‘ وہاں اخراجات میں اضافہ اس سے بھی زیادہ۔ رہن سہن کے طور طریقوں میں جو روز بروز تبدیلی آ رہی ہے‘ اس کا آج سے نصف صدی یا کم پہلے سوچا بھی نہ جا سکتا تھا۔ کل جو اشیاء آسائش کے زمرہ میں تھیں‘ آج ضرورت بن گئی ہیں۔ لیکن بعض والدین جنہوں نے حالات اور وقت کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا‘ اپنی بہو کے گھریلو مصارف کو انتہائی درجے کی فضول خرچی پر محمول کرتے ہیں۔
>
> بہو کتنا ہی ہاتھ کھینچ کر خرچ کرے‘ ساس اسے انتہائی درجے کی فضول خرچ کا خطاب دے دیتی ہے۔ ماں کا ایسی باتیں کرنے کا اصل مقصد بیٹے کو اپنے زیر اثر رکھنا ہوتا ہے اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بیٹے کی آمدنی پر اس کا مکمل اختیار ہو۔ ایسے شوہر جو اپنے والدین کی ہر معاملہ میں تابعداری کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں‘ گھر کے تمام مصارف اپنی والدہ کے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں۔ ایسے غیر اخلاقی

معاملات کا حضرت مسیح اللہؒ نے خوب جائزہ لیا ہے: ''(پہلی برائی یہ کہ) بعض شوہر اپنی بیویوں کو اخراجات کے لیے مناسب رقم نہیں دیتے' اور بعض ناانصافی اور بلاجواز مار پیٹ بھی بلاتکلف روا رکھتے ہیں۔ دوسری برائی یہ کہ تمام کی تمام آمدنی اپنے ماں باپ کے ہاتھوں میں رکھ دیتے ہیں اور بیوی ہر ضرورت کے لیے اس کے والدین کی دست نگر ہوتی ہے۔ اور وہ (والدین) اکثر اوقات اس کی ضروریات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے اور بے اعتنائی سے ٹھکرا دیتے ہیں''۔ البتہ اخراجات کے معاملہ میں' قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں ایک بات کا سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہونا بہت لازم ہے کہ ان میں نہ تو فضول خرچی ہونی چاہیے اور نہ ہی کنجوسی (بخل) کا معاملہ ہو' بلکہ راہِ اعتدال ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ ﴾ (الفرقان) ''اور (عبادالرحمٰن وہ ہیں کہ) جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں''۔ اور فرمان نبوی ﷺ ہے: ((مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ)) ''وہ محتاج نہیں ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔''(۳۰)

حوالہ جات

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية و نسائیات از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج' کلیہ معارف اسلامیہ' جامعہ کراچی' طبع ۱۲۰۲ء' ص ۲۷۸' بار اوّل۔

(۲) نسائیات از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج' کلیہ معارف اسلامیہ' جامعہ کراچی' طبع ۱۲۰۲ء' ص ۲۷۸' بار اوّل۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب الھبة' ح:۲٤٥٤۔ سنن ابی داوٗد' کتاب النکاح' ح:۲۱۳٥۔ سنن ابن ماجه' کتاب النکاح' ح:۱۹۷۲۔

(۴) معارف القرآن از مفتی محمد شفیعؒ' جلد دوم' پارہ۴' سورۃ النساء' آیت۴' ص ۲۹۷ تا ۲۹۹' طبع 2015ء' مکتبہ معارف القرآن' کراچی۔

(۵) رواه البيهقى فى "شعب الايمان" والدارقطنى فى "المجتبىٰ"۔ مشكاة المصابيح' كتاب البيوع' باب الغصب والعارية۔

(۶) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی' مترجم (متن) پیر محمد کرم شاہ الازہری' ج۲' پارہ۴' سورۃ النساء' آیت۴' ص ۲۵۴ تا ۲۵۶۔ طبع ۱۰ء' بار چہارم۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور۔

(۷) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی' مترجم (متن) پیر محمد کرم شاہ الازہری' ج۲' پارہ۴' سورۃ النساء' آیت۴' ص ۲۵۴ تا ۲۵۶۔ طبع ۱۰ء' بار چہارم۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز' لاہور۔

(۸) حقوق الزوجین از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' عنوان 'مہر' ص ۷۵ تا ۷۷' طبع ۱۹۴۳ء' بار دوم' دارالاسلام' پٹھان کوٹ' (ضلع گورداسپور)۔

(۹) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی' مترجم (متن) پیر محمد کرم شاہ الازہری' ج۱' پارہ۵' سورۃ النساء' ص ۳۲۲ تا ۳۲۳۔

(۱۰) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب الصداق...... ح:۱٤۲٦۔

(۱۱) مجموع الفتاویٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ۳۲/۱۹۲۔

(۱۲) مسند احمد ۶/۸۲،۱۴۵، والبیھقی فی السنن الکبریٰ فی الصداق ۷/۲۳۵۔

(۱۳) الطبرانی فی الکبیر (۱۱۰۰۰) وابن حبان (۱۲۵۵)۔

(۱۴) صحیح ابن حبان ۷/۱۵۸، سنن البیھقی ۷/۲۳۵۔

(۱۵) سنن الترمذی، کتاب النکاح، ح:۱۱۱۴۔سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، ح:۲۱۰۶۔سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، ح:۱۸۸۷۔

(۱۶) آپ کے مسائل اوران کا حل از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ج۵، ص عنوان ’حق مہر‘ ص۱۴۸ تا ۱۵۶، طبع ۱۹۹۸ء، مکتبہ لدھیانوی، کراچی۔

(۱۷) مسند البزار ۱/۲۵۶۔ مجمع الزوائد للھیثمی ۴/۱۳۴۔

(۱۸) تحفۃ العروس از علامہ محمود مہدی استانبولی، مترجم مختار احمد ندوی، مکتبہ قدوسیہ لاہور، طبع ۱۹۹۱ء، باردوم۔

(۱۹) آپ کے مسائل اوران کا حل از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ج۵، ص۱۴۸ تا ۱۵۵۔

(۲۰) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ج۱، پارہ۱، سورۃ البقرۃ، آیت۲۳۶۔ ادارۃ المعارف، کراچی، طبع ۱۹۸۳ء۔

(۲۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبیﷺ، ح:۱۲۱۸۔

(۲۲) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، ح:۲۱۴۲۔

(۲۳) صحیح البخاری، کتاب النفقات، ح:۵۰۳۶، وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ح:۱۶۶۹۔

(۲۴) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ح:۹۹۵۔

(۲۵) رواہ البیھقی فی شعب الایمان و ابونعیم فی الحلیۃ۔

(۲۶) حقوق الزوجین از سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۷۷ تا ۸۰۔ دارالاسلام، پٹھان کوٹ (ضلع گورداسپور)، طبع ۱۹۴۳ء، باردوم۔

(۲۷) معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ج۸، پارہ ۲۸، سورۃ الطلاق، آیت ۷، ص۴۹۰ تا ۴۹۱، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع ۱۹۹۰ء۔

(۲۸) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ترجمہ متن پیر محمد کرم شاہ الازہری، ج۱، پارہ۲، سورۃ البقرۃ، آیت۲۳۳، ص۴۶۲۔

(۲۹) تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ترجمہ متن پیر محمد کرم شاہ الازہری، ج۱، پارہ۲، سورۃ البقرۃ، آیت۲۳۳، ص۴۶۲۔

(۳۰) The Pious Husband، تالیف مجلس علماء، جنوبی افریقہ، صالح خاوند (ترجمہ) از ادارہ علم القرآن، لاہور، طبع ۱۹۹۴ء، ص۸۶ تا ۸۷۔

❁❁❁